# انسانی اعضاء کی پیوندکاری، خرید وفروخت اور عطیہ کرنا

مولانا مفتی نعمت اللہ حقانی
دارالافتاء مدرسہ تعلیم القرآن، راولپنڈی روڈ کوہاٹ

ABSTRACT:

**Transplantation of Human Organs, Its Sale and Purchase and Donation.**

**By: Mufti Nimatullah Haqqani**

*Transplantation is one of the current issues in the Religious ruling Standard.*

*This thesis Sheds light on various aspects of this issue whether one person can donate his eye, kidney etc to any other person for transplantation.*

*According to the Scholarly approach and the vast and deep Study of the Holy Quran, it is concluded in this thesis that a person has got no right to donate, sale or purchase and take the human organ from a living or a dead person. Reason for this is that human body is the Divine Trust of Almighty with a person not his/her ownership. It is an established and recognized law that person can never donate the trust without the prior permission of the owner.*

## انسانی اعضاء کی پیوندکاری کی تاریخ

انسان یا جانوروں کے اعضاء کے مریض کی جسم میں منتقلی کے ذریعے بیماریوں سے نجات کا خواب بہت پرانا ہے جسے شرمندہ تعبیر ہونے کے لئے ہزاروں صدیاں انتظار کرنا پڑا۔ انسان نے یہ سنگ میل انیسویں اور بیسویں صدی کے درمیان طے کیا۔ پہلی مرتبہ ۱۹۰۰ء سے ۱۹۲۰ء کے درمیان ہڈی، قرن، اور جلد کے ٹشوز کے کامیاب آپریشن منظر عام پر آئے۔ ۱۹۴۹ء میں امریکن نیوی ٹشو بینک نے ٹشو کو سٹور یعنی حنوط کرنے اور ٹرانسپلانٹ کرنے کی صلاحیت حاصل کی امریکہ میں اس وقت اعضاء یا عضلات کے سٹوریج کیلئے تین سو سے زائد بینک موجود ہیں۔ اعضاء کی منتقلی کا سفر ۱۹۵۰ء میں شروع ہوا۔ ڈاکٹر جورف ای میری نے بوسٹن میں گردے کی منتقلی کا پہلا کامیاب اپریشن کیا ڈاکٹر جوزف کو شعبہ طب میں ایسی ہی گراں قدر خدمات کے اعتراف میں ۱۹۹۰ء میں نوبل انعام سے نوازا گیا ۱۹۶۷ء میں جنوبی افریقہ کے ایک نوجوان ہارٹ سرجن کرسٹن برناڈے گروٹے شرہاسپٹل، کیپ ٹاون میں دل کی ٹرانسپلانٹیشن کر کے بین الاقوامی شہرت حاصل کی اور ہیروز کے فہرست میں شامل ہوئے۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں برین ڈیتھ کی تعین کرنے میں کامیابی کے بعد اعضاء کے عطیے کے حصول میں تیزی آئی ہے برین ڈیتھ ڈیکلیئر کرنے کیلئے بنیادی معیار اور ضابطے ہارورڈ یونیورسٹی میں ۱۹۶۸ء اور ۱۹۶۹ء میں احاطہ تحریر میں لائے گئے۔(۱)

## انسانی اجزاء کا عطیہ اور خرید وفروخت

حیوانات کے اعضاء کی انسانی جسم میں پیوندکاری ان امور میں سے ہے جن کے جواز میں کوئی کلام نہیں اس میں گو اختلاف ہے کہ انسان خود اپنے جسم کے کٹے ہوئے اور علیحدہ شدہ حصہ کی دوبارہ اپنے جسم میں پیوندکاری کر سکتے ہیں یا نہیں؟ طرفین اس کو جائز نہیں سمجھتے اس لئے کہ جسم کا جو حصہ جسم سے کٹ گیا ہے اسکو دفن کیا جانا واجب ہے اس کے دوبارہ استعمال میں اس سے انحراف پایا جاتا ہے:

فاذا انفصل استحق الدفن ككله والاعادة صرف له عن جهة الاستحقاق

پس جبکہ کوئی جزء بدن سے جدا ہوگیا تو وہ مستحق دفن ہوگیا جیسے کل بدن اور اس جزء کو دوبارہ استعمال کرنا اس کو اس کے استحقاق سے روکنا ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ انسان کا خود اپنے جزء سے انتفاع از قبیل اہانت نہیں ہے۔

والاهانة في استعمال جزء منه(۲)

اپنے جز کے استعمال میں توہین نہیں ہے اس مسئلہ میں فتویٰ امام ابو یوسفؒ کی رائے کے پر ہے اور عام طور پر فقہاء نے اس کو جائز ہی رکھا ہے مسلم دنیا انسانی جان کو بے حد قیمتی تصور کرتی ہے تاہم انسان جان بچانے کیلئے اعضاء کے عطیے اور اس کی ایک انسان سے دوسرے انسان میں منتقلی پر اختلاف رائے موجود ہے۔ اسلامک فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ اور اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے بعض جید علماء میت سے کسی عضو کی منتقلی جائز نہیں سمجھتے ان کا موقف ہے کہ، موت کے بعد انسانی اعضاء کی منتقلی کو ماہرین طب بے سود قرار دیتے ہیں۔ لہذا جب اس کا فائدہ نہیں تو میت کو بے توقیر کرنا ٹھیک نہیں اور موت سے قبل حتیٰ کہ برین ڈیتھ ڈکلیئر ہو جانے کے باوجود آخری سانس سے قبل بھی اعضاء نکالنا مریض کو قتل کرنے کے مترادف ہے اور اللہ تعالیٰ پر عدم یقین کا اظہار ہے، انسان خود اپنا علیحدہ شدہ جزء مجبوری کی مخصوص حالت میں استعمال کر سکتا ہے مگر اس سے استدلال درست نہیں کیونکہ اپنے اعضاء واجزاء کا استعمال خود کرنا تو فی الجملہ کسی نہ کسی درجہ میں مقصد خلقت کے مطابق ہے اور خود استعمال کرنے میں انسان کی توہین بھی ہے لیکن اس سے دوسروں کے اعضاء کی پیوندکاری کا جواز ثابت نہیں ہوتا کیونکہ امام ابو یوسفؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

ان استعمال جزء منفصل عن غيره مين بني آدم اهانة بذالک الغير والآ دمي بجميع اجزائه مكرم اه(۳)

انسانی خون کا عطیہ:

انسانی خون یا اجزاء کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے اہل علم کو یہ بتانے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی کہ تمام انسانی اجزاء کے استعمال کا حکم خواہ وہ انسان مسلم ہو یا غیر مسلم دوسری سب چیزوں کے احکام سے مختلف ہے یعنی احترام انسانیت کی وجہ سے عام حالات میں انسان کے تمام اجزا کا استعمال شرعاً ممنوع ہے اسی بنیاد پر فقہاء نے انسانی جسم کے پاک اجزاء کا بھی (حتیٰ کہ باندی کے دودھ کا بھی) استعمال اور خرید وفروخت کو ناجائز بتایا ہے فقیہ ابن ہمام جیسے محقق فرماتے ہے..

**لا یجوز بیعه اذا استغنی عن الرضاع .....لا یجوز شراه والانتفاع به یحرم**

جب بچہ کا کام انسانی دودھ کے بغیر چل سکتا ہو یعنی مدت رضاعت کے بعد) بچے کیلئے بھی انسانی دودھ کا پینا جائز نہیں اور اس دودھ سے کسی طرح کا نفع اٹھانا بھی حرام ہے اور اس کی بیع بھی جائز نہیں جب پاک اجزائے انسانی کا یہ حکم بتایا گیا ہے تو وہ اجزاء جو ناپاک ہیں مثلاً (خون) ان کے استعمال سے تو اور بھی زیادہ سختی کے ساتھ روکا جانا چاہئے پھر بظاہر اس کا نتیجہ یہ نکلنا چاہئے کہ کسی بھی حالت میں انسانی خون کی استعمال کی اجازت نہ ہو لیکن چونکہ فقہاء متاخرین نے انسانی دودھ کو دوا کے طور پر استعمال کی اجازت دے دی ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے عصر حاضر کے اکثر ممتاز علماء نے مثلاً مشہور فقیہ ومحقق مولانا مفتی محمد شفیع (سابق مفتی اعظم پاکستان) نے بحالت اضطرار صرف مریض کی جان بچانے کی غرض سے کچھ شرطوں کیساتھ جن میں سے اہم شرط یہ ہے کہ ﴿۱﴾ اس سے خون دینے والے کی جان یا صحت کو خطرہ پیش نہ آئے ﴿۲﴾ اس سے انسانی خون کی ارزانی بیع وشرا کا دروازا کھل جانے کا اندیشہ بھی نہ ہو انسانی خون بدن میں منتقل کرنے کو بھی جائز بتایا ہے مسئلہ چونکہ اہم اور تفصیل طلب ہے اسلیے یہاں حضرت کی عبارت کا ایک

طویل اقتباس نقل کیا جارہا ہے خون اگر چہ جزء انسانی ہے مگر اس کو کسی دوسرے انسان کے بدن میں منتقل کرنے کے لئے اعضائے انسانی میں کانٹ، چھانٹ اور آپریشن کی ضرورت نہیں پیش آتی انجکشن کے ذریعہ خون نکالنا اور دوسرے کے بدن میں ڈالنا اس کی مثال دودھ کی سی ہوگئی جو بدن انسانی سے بغیر کانٹ چھانٹ کے نکلتا اور دوسرے انسان کا جزء بنتا ہے بوجہ ضرورت اس کے استعمال کی اجازت بچوں کیلئے دی گئی ہے اور علاج کے طور پر بڑوں کیلئے بھی جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ اگر خون کو دودھ پر قیاس کیا جائے تو کچھ بعید از قیاس نہیں ہے کیونکہ جزءانسانی ہونے میں مشترک ہے فرق صرف یہ ہے کہ دودھ پاک اور خون ناپاک ہے۔ تو حرمت کی پہلی وجہ یعنی جزءانسانی ہوتو یہاں وجہ ممانعت نہ رہی صرف نجاست کا معاملہ رہ گیا۔ علاج و دوا کے معاملے میں بعض فقہاء نے خون کے استعمال کی بھی اجازت دی ہے۔ اس لئے انسانی خون دوسرے کے بدن میں منتقل کرنے کے شرعی حکم سے معلو ہوتا ہے کہ عام حالات میں تو جائز نہیں مگر علاج و دواء کے طور پر اس کا استعمال اضطراری حالت میں بلاشبہ جائز ہے اضطراری حالت سے مراد یہ ہے کہ مریض کی جان کو خطرہ ہو اور کوئی دوسری دوا اس کی جان بچانے کے لئے مؤثر نہ یا موجو نہ ہو اور خون دینے سے اس کی جان بچنے کا ظن غالب ہو، کفایت المفتی میں ہے کہ انسان کا خون علاج کی غرض سے دوسرے انسان کے جسم میں داخل کرنا جبکہ اس کی شفایابی اس پر (بقول طبیب حاذق مسلم) منحصر ہوگئی ہو مباح ہے۔ جیسے جناب رسول ﷺ کے موئے مبارک کو پانی میں دھو کر وہ پانی مریض پر چھڑکا جاتا ہے۔

**کما فی الهندیة: یجوز للعلیل شرب الدم البول واکل السمیتةللتداوی اذااخبره. طبیب مسلم حاذق ؛ان شفاه فیه ولم یجد من المباح ما یقوم مقامه(۴)**

کفایت المفتی اور سابقہ فقہی روایات کی تصریح سے معلوم ہوا کہ انسانی خون

کے استعمال کی اجازت کا دارومدار دوا پر ہے۔﴿۱﴾ضرورت شدیدہ ﴿۲﴾ اہانت سے خالی ہونا۔اور انسانی خون کا استعمال ظاہر ہے اہانت سے خالی ہے کیونکہ انسانی دودھ کے استعمال کی طرح انسانی خون کے استعمال کی صورت میں بھی انسانی صورت کی تشویہ و تقبیح، جو مستلزم اہانت ہے نہیں آتی ہے بلکہ انسانی صورت کی تشویہ و تقبیح کے بغیر انسانی بدن سے حاصل کیا جاتا ہے بخلاف دوسرے انسانی اجزاء کے ان استعمال کی صورت میں انسانی صورت کی تشویہ و تقبیح ضرور لازم آتی ہے لہذا دوسرے انسانی اجزاء مثلاً آنکھ وغیرہ کا استعمال اہانت سے خالی نہیں ہوتا ہے اس لئے فقہاء کرام نے اس استعمال کو اضطراری حالت میں بھی ممنوع ٹھہرایا ہے۔

انسانی جسم میں غیر مسلم کا خون داخل کرنا اور میاں بیوی کے خون کا تبادلہ نکاح پر اثر انداز ہوتا ہے یا نہیں؟

تفصیلات مذکورہ سے واضح ہوا کہ جب کوئی حلال دوا مؤثر یا میسر نہ ہو تو صرف جان بچانے کیلئے حرام شئی (بشمول انسانی خون) کی صرف اتنی مقدار کا استعمال کرنا جائز ہے جس سے عادۃ جان کا بچنا یقینی ہو۔

**بأن ما أُبيح للضرورة يتقدر بقدر الضرورة**

نفس جواز میں تو مسلم اور غیر مسلم دونوں کا حکم یکساں ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ کافر یا فاسق وفاجر انسان کے خون میں جو اثرات خبیثہ ہیں ان کے منتقل ہونے کا اور اخلاق پر اثر انداز ہونے کا قوی خطرہ ہے اسی لئے صلحاء امت نے فاسق وفاجر عورت کا دودھ پلانا بھی پسند نہ کیا بناء علیہ کافر اور فاسق وفاجر انسان کے خون سے اجتناب بہتر ہے، رہا یہ مسئلہ کہ اس سے نکاح پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟ تو چونکہ شریعت اسلامیہ نے محرمیت کو نسب، مصاہرت، رضاعت میں بھی مدت رضاعت کیساتھ (جو اڑھائی سال ہے) خاص کیا ہے۔لہذا زوجین کے درمیان خون کے تبادلے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے نکاح

بدستور قائم رہتا ہے۔

**كما هو مصرح في كتب الفقه كفايت المفتي وتنشيط الاذهان في الترقيع باعضاء الانسان(۵)**

خون کے علاوہ دیگر اجزائے انسانی کا عطیہ اور خرید وفروخت:

مذکورہ بالا تفصیلات سے اس پر غور کرنا آسان ہو گیا کہ انسانی اجزاء کا استعمال (جنہیں استعمال کرنا کانٹ، چھانٹ یعنی عمل جراحی کے بغیر ممکن نہیں) جائز ہے یا نہیں؟ یہاں صرف دو ہی احتمال ہیں ایک یہ کہ کسی زندہ انسان کے اجزاء یا ایک جزء دوسرے انسان کے جسم میں استعمال کئے جائیں دوسرے یہ کہ کوئی عضو یا چند اعضاء کا استعمال کیا جائے۔

زندہ انسان کے کسی عضو کا استعمال:

پہلی صورت یعنی زندہ انسان کا جزء یا اجزاء کا استعمال خواہ مسلمان کا ہو یا غیر مسلم کا، اگر اس کے لئے ضرر کا موجب ہونا ظاہر ہی ہے کیونکہ:

**الضرر لا يزال باضرر:**

کسی انسان کو ضرر پہنچا کر دوسرے کا ضرر دور نہیں کیا جا سکتا۔

**الضرر لا يزال بمثله**

کسی ایک ضرر کا ازالہ اس طرح نہ کیا جائے گا کہ اسی درجہ کا دوسرا ضرر پیدا ہو جائے گا۔(۶)

**ولأدمي مكرم شرعاًوان كان كافراً فأيراد العقد عليه وابتذاله والحاقه بالجمادات اذلال اى هوغير جائز وبعضه في حكمه:(۷)**

چونکہ انسان شرعاً مکرم ہے اگر چہ کافر ہی کیوں نہ ہو، لہذا اس کی خرید و فرخت اور ابتذال اور اس کیساتھ جمادات جیسا معاملہ کرنا انسان کی

تذلیل ہے۔لہذا انسان کے اعضاء کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔

نیز مساوات بنی آدم کے تقاضا سے بھی اس کی گنجائش نہیں نکلتی مزید یہ کہ صحیح اور صریح آحادیث نبوی کا بھی تقاضہ یہی ہے جن میں انسان بال کے استعمال تک کی ممانعت ہے بلکہ استعمال کرنے والے پر لعنت فرمائی گئی ہے۔

لعن الله الواصلة والمستوصلة ....الخ :(۸)

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے شراح حدیث نے تمام اجزائے انسانی سے انتفاع کی حرمت کا متفق علیہ ہونا ذکر کیا ہے۔انسانی اعضاء واجزاء بشمول بال کے احترام اوران کے استعمال میں اہانت کا پہلو ہونے کا یہی اثر ہے کہ انسانی تمام اجزاء بشمول بال کے دفن کرنے کا حکم ہے اوراس پر سارے ملک کے فقہاء متفق نظر آتے ہیں۔تمام شادی شدہ عورتوں بالخصوص نئی دلہن کی تزئین شرع میں مطلوب ہے اورعورتوں کے بال ان کے زینت کا بنیادی عنصر ہیں، اسی لئے عورتوں کے لئے سر کے بال کٹانا یا منڈوانا حرام ہیں، مگراس اہم کام کے لئے بھی انسانی بال دوسرے کے لئے استعمال کی اجازت نہیں دی گئی اورممانعت کے لئے عام الفاظ استعمال کرنے کے بجائے لفظ :لعنت: کا اختیار فرمانا (جس میں آخری درجہ کے قابل نفرت کام پر وعید ہوتی ہے) خود اسکی سنگینی کا پتہ دے رہا ہے اگر ممانعت عام نہ ہوتی بلکہ صرف تزئین جیسے اسباب ہی میں منحصر ہوتی تو ایسی شدید وعید کی ضرورت نہ تھی۔

انسانی اجزاء کا علیحدہ کرنا مثلہ کے مترادف عمل ہے:

انسانی اجزاء واعضاء کا کسی دوسرے کے استعمال میں لانے کی ممانعت کی ایک اہم وجہ اجزاء انسانی کی قطع وبرید اورانکا خود اس انسان کی ضرورت کے علاوہ کسی اورغرض سے علیحدہ کرنا شرعاً مثلہ کے مترادف عمل ہے اس لئے ظاہر ہے کہ انسانی عضو کو دوسرے کے جسم میں لگانا اس کے بغیر ممکن نہیں کہ وہ پہلے کسی انسان کے جسم سے علیحدہ کیا جائے

مثلہ کی ممانعت متفق علیہ ہے اور یہ ممانعت آحادیث صحیحہ سے ثابت ہے مثلاً بخاری شریف میں ہے:

قال قتادةؓ بلغنا ان النبی ﷺ بعد ذالک (واقعة عکل وعرینة) کان یحث علی الصدقه و ینهی عن المثله :

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ صدقہ کی ترغیب دیتے اور مثلہ سے منع فرماتے تھے مثلہ پہلے مشروع تھا اب منسوخ ہوگیا جیسا کہ شرح مسلم میں ہے۔ المثله وهو منسوخ۔ صحیح مسلم کی حدیث: لا تمثلو : سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

انسان اپنے اعضاء کا مالک نہیں:

انسان اپنے اعضاء واجزاء کا مالک نہیں بلکہ یہ خالق کائنات کیطرف سے اسکے پاس امانت ہیں جن کے استعمال کی اجازت انسان کو دی گئی ہے۔ لہذا انسان اپنے اعضاء واجزاء کے عطیہ اور ہبہ کی وصیت بھی نہیں کرسکتا ہے اس لئے کہ ہبہ، عطیہ اور وصیت کی صحت کے لئے موھوب لہ/موصیٰ بہ کا مملوک ہونا ضروری ہے ہندیہ میں ہے

:قوله روا أماما یرجع الیٰ الواهب فهوان یکون الواهب من اهل الهبة و کونه من اهلها ان یکون حراً عاقلاً بالغاً مالکاً للموهوب الخ(۹)

یعنی صحت ھبہ کے لئے موھوب کا واھب کے لئے مملوک ہونا ضروری ہے اور ردالمختار میں ہے:

الا اذا اضافها بأن قال اذاعتقت فثلث مالی وصیة لفلان الیٰ قوله حتیٰ لو عتق قبل الموت بأداء بدل الکتابة .اور..غیره ثم مات کان للموصی له ثلث ماله وان لم یعتق حتیٰ مات عن وفاء بطلت الوصیة لان الملک له

حقیقة لم یوجد(۱۰)

اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ صحت وصیت کے لئے موصیٰ بہ کا مملوک ہونا ضروری ہے۔اور جس طرح کہ غیر مفصول عضوانسان کے استعمال کی اجازت نہیں ہے اسی طرح عضومفصول ومقطوع اگر میسر ہوجائے تو بھی استعمال کی اجازت نہیں :شرح السیر الکبیر میں ہے۔جن فقہاء نے حالت اضطرار میں اشیاء محرمہ کا استعمال جائز بتایا ہے۔انہوں نے بھی بحالت اضطرار انسانی جسم اور اعضاء کے کھانے واستعمال کوحرام بتایا ہے چاہے کوئی شخص اپنے کسی عضو کے استعمال کرنے کی اجازت بھی دیدے:

**وان قال له آخرا قطع یدی و کلهالا یحل له لحم الانسان لا یباح فی الاضطرارلکراهة فی الاشباه لا یأکل المضطر طعام مضطر آخر ولا شیأمن بدنه :(۱۱)**

اس بناء پر مکرہ کو اکراہ تام کی صورت میں بھی اس کی اجازت نہیں کہ وہ اپنی جان بچانے کے لئے بھی کسی دوسرے شخص کا عضو کاٹ ڈالے۔چاہے وہ شخص اس کی اجازت ہی کیوں نہ دے۔:

**وفی البدائع وکذا قطع عضو من اعضائه ولو اذن له المکره علیه فقال للمکره افعل لا یباح له ان یفعل لان هذا مما لا یباح بالاباحة (۱۲)**

مردہ انسان کے کسی جزء کا استعمال:۔

اسلام نے انسانی لاش کی حرمت کا جوحکم دیا ہے وہ دراصل انسانی جان کی حرمت کا ایک لازمہ ہے ایک دفعہ اگر انسانی لاش کا احترام ختم ہوجائے تو بات صرف اس حد تک محدود نہ رہے گی کہ مردہ انسانوں کے کارآمد اجزاء زندہ انسانوں کے علاج میں استعمال کیا جانے لگیں بلکہ رفتہ رفتہ انسانی جسم کی چربی سے صابن بننے لگیں گے جیسا کہ فی

الواقع جنگ عظیم دوم میں جرمنوں نے بنائے تھے انسانی کھال اتار کر اس کی دباغت دینے کی کوشش کی جائیگی تا کہ اس کے جوتے یا سوٹ کیس منی پرس بنائے جاسکیں۔ چنانچہ یہ تجربہ بھی چند سال قبل مدراس کی فیکٹری کر چکی ہے انسان کی ہڈیوں، آنتوں اور دوسروں چیزوں کو استعمال کرنے کی بھی فکر کی جائے گی حتیٰ کہ اسکے بعد انسان پھر اس دور وحشت کی طرف پلٹ جائے گا۔ جب آدمی آدمی کا گوشت کھاتا تھا اگر ایک دفعہ مردہ انسان کے اعضاء نکال کر علاج میں استعمال کرنا جائز قرار دیا جائے تو پھر کسی جگہ حد بندی کر کے آپ اسی جسم کے دوسرے مفید استعمالات کو نہیں روک سکیں گے زندہ انسان کے کسی عضو کے استعمال کی گنجائش نہ ہونا تو مذکورہ بالا عبارات اور اصول کی روشنی میں واضح ہو جاتا ہے اب مردہ انسان کے کسی عضو کے استعمال کا حکم بیان کیا جاتا ہے مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ معلوم کر لینا آسان ہے احترام انسانیت کے اصول زندہ ومردہ دونوں کے بارے میں یکساں ہیں جو متعدد احادیث سے مستفاد ہوتا ہے مثلاً:

**اذی المؤ من فی موته کاذاه فی حیاته :**

مؤمن کے مرنے کے بعد اذیت پہنچانا گناہ اور شرعاً جرم ہونے کے لحاظ سے ایسا ہی ہے جیسا کہ زندگی میں پہنچانا۔

**کسر عظم المیت ککسره حیاً:**

مردہ انسان کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے شرعاً کسی زندہ انسان کے ہڈی توڑنا۔ چنانچہ علماء امت نے احادیث کے علاوہ اس مفہوم کی دیگر احادیث سے یہی سمجھا ہے مثلاً امام طحاوی نے مشکل الاثار میں فرمایا ہے:

**حاصله ان عظم المیت له حرمة مثل حرمة عظم الحی**
**فکان ککسره فی انتهاک الحرمة ککسر عظم الحی :**

میت کی ہڈیوں وغیرہ کا احترام ایسا ہی ہے جیسا کہ زندہ کا، اس لئے کہ مردہ

انسان کے ہڈی توڑنے والا ایسا ہی مجرم ہے جیسا کہ زندہ کی ہڈی توڑنے والا: مشہور مالکی فقیہ علامہ باجی لکھتے ہے:

یرید ان له من الحرمة فی حال موته مثل ما له منها حال حیاته وان کسر عظامه فی حال موته یحرم کسرها حال حیاته :

مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد بھی انسانی اعضاء کی شکست وریخت کا وہی حکم ہے جو زندگی میں تھا۔

وفی ردالمختار : بأن المراد تکریم صورته وخلقته ولذا لم یجز کسر عظام میت کافر ولیس ذالک محل الاسترقاق والبیع والشراء بل محله النفس الحیوانیة اه:(۱۳)

علامہ زرقانی شارح موطا فرماتے ہیں:

الاتفاق علی فعل ذالک فی الحیاة والمماة:

زندہ اور مردہ دونوں کی حرمت یعنی اعضاء کی شکست وریخت کی حرمت پر اور ان کا احترام ملحوظ رکھنے پر پوری امت کا اتفاق ہے انسانی اعضاء کا استعمال ایک قسم کا انتفاع بأجزاء الادمی ہے اور آدمی کے جز سے انتفاع لینا یا فروخت کرنا فقہی نقطہ نظر سے درست نہیں۔

کما فی البحر وشعرالانسان والانتفاع به لم یجز بیعه والانتفاع به لان الادمی مکرم غیر مبتذل فلا یجوز ان یکوّن شیء من اجزائه مهاناًمبتذلاً:(۱۴)، وکما فی المبسوط :ان شعرالادمی لا ینتفع به اکراماًلانسان قیل

الانتفاع بأجزاء الادمی لم یجز للنجاسته وقیل للکرامته وهو الصحیح ؛(۱۵)

ان نصوص واقوال سے انسانی اعضاء کی قطع وبرید اور کسر وانکسار کی ممانعت مطلقاً ثابت ہوتی ہے چاہے اس عمل کے پیچھے کوئی بھی جذبہ یا مصلحت کارفرما ہو العبرة لعموم المعانی کا بھی یہی تقاضہ ہے۔ایک قابل لحاظ امر یہ بھی ہے کہ فقہاء کے یہاں ایک مسلمہ اصل یہ ہے کہ حرمت وحلت دونوں کا امکان جس مسئلہ میں ہو وہاں حرمت کے پہلو کو ترجیح دی جائے گی۔:

کما فی القواعد وما اجتمع محرم ومبیح الاغلب المحرم(۱۶)

اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے :اوجز المسالک : میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

انسانی زندگی ابدی ہے، ازلی نہیں:

امام غزالیؒ نے ایک موقعہ پر لکھا ہے کہ انسان کی زندگی ازلی نہیں لیکن ابدی ہے جب ایک دفعہ پیدا ہو جائے پھر فنا نہیں ہوتی ہر انسان تین مرحلے طے کرتا ہے۔ اول مرحلہ ماں محترمہ کے پیٹ میں ،دوسرا مرحلہ دنیا اور تیسرا مرحلہ برزخ میں یعنی مقام حشر ونشر۔جب یہ بات طے ہوگئی کہ مرنے کے بعد بھی زندگی کا مرحلہ تو باقی رہتا ہے مگر اس کی نوع بدل جاتی ہے تو اس پر غور کرنا چاہئے کہ کیا آدمی کو دیکھنے کی ضرورت صرف اسی دنیا میں ہے؟ یا کیا مرنے کے بعد میں اسے دیکھنے کی ضرورت نہیں معمولی عقل اور فہم کا آدمی بھی اس کا جواب یہی دیگا کہ اگر مرنے کے بعد کسی نوعیت کی زندگی ہے تو جس طرح زندگی کے اور لوازمات کی ضرورت ہے اسی طرح بینائی کی بھی ضرورت ہوگی اس سے معلوم ہوا

کہ آنکھوں کا عطیہ دینے یا انسانی بدن کے دیگر اجزاء کی انتقال کا وصیت کرنے کی سوچ کا جواز ایک غیر اسلامی ذہن کی پیداوار ہے۔ بلکہ حیات بعد الوفات کے انکار پر مبنی ہونے کا خطرہ ہے اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد آدمی کی زندگی کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا بلکہ زندگی کا ایک مرحلہ طے ہونے کے بعد دوسرا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے مرنے کے بعد انسان زندہ ہے مگر اس کی زندگی کے آثار اس جہاں میں ظاہر نہیں ہوتے زندگی کا تیسرا مرحلہ حشر کے بعد شروع ہوگا اور یہ دائمی اور ابدی زندگی ہوگی۔

برصغیر کے دینی اداروں اور علماء کا موقف:

مذکورہ بالا بحث وتفصیل کے بعد اس نتیجہ پر پہنچنا مشکل نہیں رہ جاتا کہ انسان کے جسم میں دوسرے انسان کے کسی جزء یا عضو کا داخل کرنا یا نکالنا درست نہیں۔ اور اس پر تقریباً تمام علماء وفقہاء کا اتفاق نظر آتا ہے۔ جن میں مولانا مفتی محمد شفیع (سابق مفتی اعظم پاکستان وصدر مفتی دارلعلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری (عظیم محقق ومحدث وبانی جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاون کراچی)، مفتی ولی حسن ٹونکی (سابق مفتی اعظم پاکستان)، جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی، مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ (مفتی اعظم دارلعلوم دیوبند) مولانا مفتی نظام الدین (صدر مفتی دارالعلوم دیوبند) مولانا رشید احمد صاحب احسن الفتاویٰ شامل ہیں۔ (۱۷) علاوہ ازیں برصغیر کے تمام مؤقر مدارس اور امارات شرعیہ انسانی اعضاء کی عطیہ اور پیوندکاری کے عدم جواز کے ہی فتویٰ صادر کرتے آرہے ہیں۔

انسانی اعضاء کا عطیہ اور وصیت کے خطرناک نتائج:

انسانی اعضاء کے عطیہ یا وصیت کے نتائج اور خطرناک پہلو سامنے آرہے ہیں اور آسکتے ہیں ان کا اندازہ ایک تحریر سے کیا جاسکتا ہے چنانچہ وہ رقمطراز ہیں۔ آنکھوں کے عطیے کا معاملہ صرف آنکھوں تک ہی محدود نہیں ہے دوسرے اعضاء بھی مریضوں کے کام

آسکتے ہیں۔ یہ دروازہ اگر کھول دیا جائے تو مسلمان کا قبر میں دفن ہونا مشکل ہو جائے گا اس کا سارا جسم ہی چندے میں تقسیم ہو کر رہے گا۔ اسلام نے انسانی لاش کی حرمت کا جو حکم دیا ہے وہ دراصل انسانی جان کی حرمت کا ایک لازمہ ہے ایک دفعہ اگر انسانی لاش کا احترام ختم ہو جائے تو انسانی آنکھیں، گردے اور دیگر اعضاء بکاؤ مال کی طرح بازار میں بیچے جائیں گے۔ غریب اپنی بچوں کی خاطر یہ قربانی اپنی رضامندی سے دیا کرے گا مالداروں نے دنیا کی دولت اور سامان ضرورت وراحت سب سمیٹ کر اپنے گھروں کو بھر لیا ہے، جن سے کروڑوں غریب انسان محروم ہیں مگر خالق کریم نے انسانی اعضاء واجزاء میں جو مساوات امیر وغریب کے درمیان قائم رکھی ہے کہ فاقہ زدہ فٹ پاتھ پر بسر کرنے والے بچے کو بھی وہی سالم وصحیح کان اور زبان ملتی ہے۔ جو بڑے بڑے سرمایا دار کو نصیب ہوتی ہے اگر یہ چیزیں بکاؤ مال بن گئیں تو بہت سے غریب اپنے بچوں کی مصیبت دور کرنے کے لئے اپنی اعضاء داؤ پر لگا دیں گے جس طرح ہندوستان وغیرہ ممالک میں آج اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ اور دنیا کا تجربہ رکھنے والے جانتے ہے کہ پھر یہ بکاؤ مال صرف یہی تک نہ رہے گا کہ رضا کارانہ طور پر کسی انسان کے اعضاء واجزاء لئے جائیں بلکہ بہت سے مردے خصوصاً لاورث مردے بہت سے اعضاء سے محروم ہو کر اس دنیا سے جایا کریں گے۔ اور شاید اگلے دور کے حکماء انسانی اعضاء کو دیر تک کارآمد باقی رکھنے کا کوئی انتظام کرلیں جیسے آج کل انسان کا خون بلڈ بنکوں میں محفوظ رکھا جاتا ہے تو پھر کسی انسانی میت کی خیر نہیں یہ غسل وکفن اور جنازہ ودفن کے سارے قصے ہی بے باک ہو جائیں گے۔ اور مدانخواستہ اگر یہ سلسلہ بڑھتا رہا تو صرف اپنی موت مرنے والوں تک محدود نہ رہے گا بلکہ ں کام کے لئے بہت سے انسانوں کے قتل کا ایک بازار گرم ہو جانا ممکن ہے جو پورے سانی معاشرے کی تباہی کا ہے۔

حواشی وحوالہ جات:


۱۔ مجلہ شفاء نیوز انٹرنیشنل اگست ۲۰۰۴ء، ص ۱۱

۲۔ الکاسانی، علاء الدین، بدائع الصنائع، دارالکتاب العربیة بیروت، ۱۹۸۲ء، ج ۵ ص ۱۳۳

۳۔ ایضاً

۴۔ شیخ نظام وغیرہ، فتاوی عالمگیری، دارالمعرفة، بیروت، ۱۳۰۱ھ، ج ۹، ص ۱۴۳ تا ۱۴۴

۶۔ ابن نجیم، الاشباہ، والنظائر قدیمی کتب خانہ، ۱۹۸۵ء، ج ۴، ص ۱۲۳

۷۔ ایضاً، ج ۴، ص ۱۱۷

۸۔ القشیری، مسلم، بن حجاج، صحیح مسلم، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱۹۵۶ء، ج ۴، ص ۲۰۴

۹۔ شیخ نفام وغیرہ فتاویٰ عالمگیری، ج ۹، ص ۳۷۴

۱۰۔ ردالمختار علی درمختار مطبع رشیدیہ، ج ۵، ص ۴۴۰

۱۱۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، ج ۴، ص ۱۲۳، اور ردالمحتار، ج ۵، ص ۲۳۸

۱۲۔ الکاسانی، علاء الدین، بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۱۷۷

۱۳۔ ردالمحتار، ج ۴، ص ۱۱۷

۱۴۔ زین الدین ابن نجیم، الخنفی بحرالرائق، ایچ ایم سعید کراچی، ۱۳۳۴ھ، ص ۸۱

۱۵۔ الشیبانی، أبی عبدالله محمد بن الحسن المبسوط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة، کراچی، ج ۱۵، ص ۱۲۵

۱۶۔ القواعد الفقهیة ص ۲۷۶، ۲۷۷

۱۷۔ بستوی، مولانا عبید الله، رسالہ بحث و نظر جنوری تا مارچ ۱۹۸۹ء، ش ۹، ص ۳۴